اور چور پکڑا گیا

مسٹر اسلم کمال کی کوٹھی رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہی تھی۔ گھر کی پوری فضا ڈھولک اور شادی کے گیتوں سے گونج رہی تھی۔ مہمانوں کی آمد آمد تھی۔ کوٹھی کے ایک کونے میں دیگیں پک رہی تھیں، جن کی خوشبو سے اردگرد کی فضا میں ایک عجیب مہک رچی بسی تھی۔ کوٹھی کے سامنے کاروں کی ایک لمبی قطار تقریب کے حسن میں مزید اضافہ کر رہی تھی۔

آج اسلم کمال کی اکلوتی بیٹی ثمینہ کی رسم مہندی تھی۔ اسلم کمال ایک ٹیکسٹائل ملز میں ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز تھے۔ اللہ نے انہیں دنیا کی ہر نعمت سے مالا مال کر رکھا تھا۔ ثمینہ کے علاوہ ان کے دو بیٹے تھے۔ دونوں بیٹے امریکہ میں بطور ڈاکٹر کام کر رہے تھے۔ اسلم کمال کو اپنی بیٹی سے بے پناہ محبت تھی۔ انہوں نے اسے بڑے ناز و نعم سے پالا تھا اور یونیورسٹی میں ایم۔اے تک تعلیم دلائی تھی۔ اسلم کمال نے بیٹی کے یونیورسٹی آنے جانے کے لیے سپیشل کار اور ڈرائیور کا بندوبست کر رکھا تھا تاکہ ان کی لاڈلی بیٹی کو بسوں اور ویگنوں کے دھکے نہ کھانے پڑیں۔

ثمینہ نے بھی اپنی سلیقہ شعاری اور قابلیت سے باپ کے دل کو خوشیوں کا گہوارہ بنا رکھا تھا۔ گھر میں نوکر چاکر ہونے کے باوجود وہ باپ کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کر کے ایک روحانی خوشی محسوس کرتی۔

اسلم کمال کے ساتھ والی کوٹھی ایک ڈاکٹر کی ملکیت تھی، جسے وہ کرائے پر دیے رکھتا۔ ایک سال قبل وہاں ایک فیملی رہائش پذیر ہوئی۔ فیملی کا سربراہ، جس کا نام منور احمد تھا، ایک انشورنس کمپنی میں افسر تھا۔ نئے آنے والے ہمسائے کو خوش آمدید کہتے ہوئے اسلم کمال نے ان کی پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا تاکہ دونوں خاندانوں کا تفصیلی تعارف ہو سکے۔ پھر یہ تعارف ایک گہری دوستی میں بدل گیا۔ تحائف کے تبادلے ہونے لگے۔ چند مہینوں بعد یوں محسوس ہونے لگا کہ دونوں خاندانوں کے برسوں پرانے تعلقات ہیں۔

ایک سال وہاں رہنے کے بعد منور احمد کی ساہیوال ٹرانسفر ہو گئی۔ دونوں خاندانوں کو ٹرانسفر کا بڑا غم ہوا۔ انہیں ایک دوسرے سے بچھڑتے ہوئے ایک شدید دھچکا لگ رہا تھا۔ اسلم کمال نے منور احمد اور اس کے خاندان کو الوداعی کھانے کی دعوت دی۔ دونوں خاندانوں نے ایک ہی کمرے میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ بیتے دنوں کی محبت بھری باتوں اور یادوں کا تذکرہ

ہوا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد مسز منور احمد نے مسز اسلم کمال سے کہا کہ ”ہم اتنا عرصہ آپس میں بہن بھائیوں کی طرح رہے ہیں اور اب میرا دل چاہتا ہے کہ اس تعلق کو ہمیشہ کے لیے قائم کرلیں اور اس کے ساتھ ہی مسز منور نے اپنے بیٹے مبشر احمد کے لیے ان کی اکلوتی بیٹی ثمینہ کا رشتہ مانگا“۔ مسز اسلم کمال نے کہا کہ ”وہ اپنے خاوند سے مشورہ کرکے جواب دے گی“۔ مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد مسز اسلم کمال نے ساری بات اپنے خاوند کو بتائی۔ میاں بیوی نے ہر پہلو سے رشتہ پر خوب غور و خوض کیا اور دو دن بعد مسز منور احمد کے شدید اصرار پر ہاں کردی۔ مبشر احمد، منور احمد کا بڑا بیٹا تھا اور فیصل آباد میں بطور ڈاکٹر کام کر رہا تھا۔ بات پکی ہونے کے بعد منور احمد کا خاندان ساہیوال شفٹ ہوگیا اور اس طرح دو خاندان ایک قریبی بندھن میں بندھ گئے۔

کل دوپہر مبشر احمد کی بارات آ رہی تھی۔ اگلے دن جب سپیدہ سحر نمودار ہوا تو اسلم کمال نے نماز فجر ادا کرنے کے بعد اپنا سر اپنے مالک کے حضور رکھ دیا اور گڑگڑا کر اللہ سے اپنی بیٹی کے مستقبل کی خیریت کی لمبی دعا مانگی۔ دعا مانگنے کے بعد اس کے قلب کو ایک طمانیت حاصل ہوگئی اور وہ ہنسی خوشی شادی کے کاموں میں مشغول ہوگئے۔ مہمانوں کے لیے سارے انتظامات مکمل ہوچکے تھے۔ ٹھیک بارہ بجے دوپہر بارات پہنچ چکی تھی۔ مہمانوں کو بٹھانے کے لیے کوٹھی کے وسیع لان میں قطاروں میں سجی کرسیاں مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔ دولہا کے لیے ایک بڑا سٹیج تیار کیا گیا تھا، جسے خوبصورت قالینوں اور صوفوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ سفید شلوار قمیص اور سفید اچکن پہنے، پاؤں میں سنہری کھسہ اور سر پر سفید اور سنہری کلاہ رکھے، فوجی بینڈ کی دھنوں میں مبشر احمد سٹیج کی جانب چلا آ رہا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ اس کے والد اور بائیں طرف اس کے دوستوں کا جمگھٹا چلا آ رہا تھا۔ اسلم کمال اور خاندان کے بزرگوں نے بارات کا انتہائی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ مہمانوں کے بیٹھتے ہی ٹھنڈے مشروبات سے ان کی تواضع کی گئی۔

اسلم کمال چار پانچ دن قبل محلے کی مسجد کے خطیب صاحب سے نکاح پڑھانے کا کہہ چکے تھے۔ جمعہ کی نماز کے فوراً بعد نکاح اور اس کے بعد کھانا پیش کرنے کا پروگرام تھا۔ مسجد میں نماز جمعہ ڈیڑھ بجے ہونا تھی۔ مہمانوں کی تواضع کے بعد اسلم کمال نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے مسجد میں چلے گئے۔ جب اسلم کمال مسجد میں پہنچے تو انہیں یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ مسجد میں نمازیوں کی تعداد پہلے سے دوگنی سے بھی زیادہ ہے۔ پوری مسجد اوپر نیچے سے فل ہوچکی

تھی کہ باہر سڑک پر بھی صفوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ اسلم کمال نے دیکھا کہ آج جمعہ کی تقریر کوئی اور مولوی صاحب کر رہے ہیں اور محلے کے خطیب سامع کی حیثیت سے پاس بیٹھے ہیں۔ خطیب صاحب کی خطابت میں بلا کی جولانی اور روانی تھی اور وہ حاضرین کے دل و دماغ کو اپنی طرف کھینچے ہوئے تھے۔ ان کی نکتہ آفرینیوں سے سامعین عش عش کر اٹھتے۔

جب وہ کسی بات کے نقطہ عروج پر پہنچتے تو مسجد پر زور نعروں سے گونج اٹھتی۔ جب انہوں نے تقریر ختم کی تو وہ تمام حاضرین کے دلوں پر اپنا نقش بٹھا چکے تھے۔ اسلم کمال بھی مولانا صاحب کی خطابت اور ان کے دینی جذبے سے بہت متاثر ہوا۔ نماز کے بعد اس نے محلے کے خطیب صاحب سے پوچھا کہ یہ مولانا صاحب کون ہیں؟ خطیب صاحب نے بتایا کہ یہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی راہنما مولانا محمد اکرم طوفانی صاحب ہیں۔ یہ سرگودھا سے تشریف لائے ہیں اور ہم نے جمعہ پڑھانے کے لیے انہیں دعوت دی تھی۔ اسلم کمال خطیب صاحب سے درخواست کرنے لگا کہ مولانا محمد اکرم طوفانی صاحب سے درخواست کریں کہ وہ میری بچی کا نکاح پڑھا دیں۔ یہ میرے لیے بہت بڑی سعادت ہوگی۔ خطیب صاحب نے مولانا محمد اکرم طوفانی صاحب سے نکاح پڑھانے کی التماس کی' جو انہوں نے قبول کرلی۔

اسلم کمال بڑے احترام سے مولانا محمد اکرم طوفانی کو ساتھ لے کر سٹیج پر پہنچا اور دولہا کے ساتھ صوفہ پر بٹھا دیا۔ نکاح شروع ہوا تو مولانا محمد اکرم طوفانی نے دولہا سے کہا کہ پڑھو:

"لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

دولہا نے مولانا کے پیچھے کلمہ طیبہ پڑھا۔

پھر مولانا نے اس سے کہا کہ اب کلمہ طیبہ کا ترجمہ پڑھو۔

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں"۔

مولانا نے پھر دولہا سے کہا کہ اب پڑھو

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمدؐ اللہ کے (آخری) رسول ہیں"۔

آخری رسولؐ کا جملہ سنتے ہی دولہا کچھ ٹھٹھک سا گیا اور اس کے تیور بدلے' جیسے اسے یہ جملہ ناگوار سا گزرا ہو--- کچھ دیر تامل کے بعد دولہا نے مخصوص نظروں سے اپنے والد کی طرف دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں تو باپ نے آنکھ کے اشارے سے بیٹے کو کہا کہ پڑھ جا--- بیٹا باپ کے کہنے پر سارا جملہ پڑھ گیا۔

مولانا عمیق نگاہوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور شک کا ایک بھاری پتھر ان کے

دل پہ لگا تھا۔ اس شک کی صورت حال کو واضح کرنے کے لیے انہوں نے دولہا سے کہا کہ پڑھ:

"محمدؐ اللہ کے آخری نبیؐ اور رسولؐ ہیں اور ان کے بعد جو دعویٰ نبوت کرے' وہ کافر ہے"۔

دولہا پھر چونکا جیسے اس کے کلیجے میں تیر لگا ہو۔ اس نے پھر سوالیہ نگاہوں سے باپ کی طرف دیکھا۔ لیکن اس مرتبہ باپ نے اس کو اجازت نہ دی' بلکہ خود بولا اور کہنے لگا:

"مولوی صاحب! ہم کسی کو کافر نہیں کہتے"۔

مولانا کا شک مزید پکا ہو گیا اور انہوں نے دولہا سے کہا کہ پڑھ:

"میں جناب محمدؐ رسول اللہ کے بعد ہر مدعی نبوت کو کافر مانتا ہوں اور مرزا قادیانی' جس نے دعویٰ نبوت کیا' اس کو بھی کافر اور مرتد مانتا ہوں"۔

دولہا چپ رہا۔ دولہا کا باپ پھر کہنے لگا:

"مولانا! ہم کسی کو کافر نہیں کہتے۔ آپ ان فضول بحثوں کو چھوڑیں۔ لڑکے نے سب کے سامنے عربی میں کلمہ پڑھ لیا ہے۔ ترجموں کے جنجال میں کیا جانا۔ آپ جلدی جلدی نکاح پڑھائیں۔ نیکی کے کاموں میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔ ہم پہلے ہی بہت لیٹ ہو چکے ہیں"۔

مولانا کا شک تصدیق میں بدل چکا تھا۔ اچانک مولانا کی نظر لڑکے کے باپ کے ہاتھ کی انگلی میں پہنی انگوٹھی پر پڑی' جس پر "الیس اللہ بکاف عبدہ" لکھا ہوا تھا اور یہ قادیانیوں کی مخصوص انگوٹھی ہوتی ہے۔ اسلم کمال اور لڑکی کے عزیز و اقارب مولانا کے دائیں طرف بیٹھے تھے اور وہ ساری باتیں بڑی توجہ سے سن رہے تھے۔ مولانا نے اسلم کمال کو اپنے پاس بلایا اور کان میں رازدارانہ انداز میں کہا کہ لڑکا اور اس کا خاندان قادیانی ہے۔ اسلم کمال نے اپنی قریبی عزیزوں کو الگ کر کے ساری بات بتائی تو وہ سب ہکے بکے رہ گئے اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

مولانا اپنی جگہ سے اٹھے اور اسلم کمال اور اس کے قریبی عزیزوں کے پاس جا کر کہنے لگے:

"اللہ پاک نے آپ پر خصوصی کرم کیا اور آپ کی بچی کی عزت کو ان کافروں کے ہاتھوں سے بچا لیا۔ آپ تاریک غار میں گرنے سے بچ گئے۔ ختم

نبوت کے ڈاکو اب مسلمان بچیوں کی عزتوں پر بھی ڈاکہ ڈالنے لگے ہیں۔ ناموس رسالتؐ کے لٹیرے اب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی بیٹیوں کی ناموس کو بھی لوٹنے کی جسارتیں کر رہے ہیں۔ آپ کو میری طرف سے کروڑہا مبارک ہو کہ خدا نے آپ کی بچی کو ان بھیڑیوں سے بچا لیا"۔

اسلم کمال کا غم و حیرانی اب شدید غصہ میں بدل چکا تھا۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے کے کان میں کچھ کہا کہ جاؤ اور پولیس کو ٹیلی فون کرو۔ یہ خوفناک خبر اسلم کمال کے عزیز و اقارب' دوستوں اور محلہ داروں میں بھی پھیل گئی۔ وہ سب غصہ سے دیوانے ہو رہے تھے۔ قریب تھا کہ وہ ان لٹیروں کی تکا بوٹی کر دیتے لیکن محلے کی چند بزرگ شخصیات درمیان میں حائل ہو گئیں اور انہوں نے بڑی مشکل سے انہیں سنبھالا اور انہیں کہا کہ ابھی پولیس آ رہی ہے۔ آپ قانون ہاتھ میں نہ لیں۔ ابھی یہ کھینچا تانی ہو رہی تھی کہ پولیس پہنچ گئی۔ اسلم کمال نے پولیس کو دیکھتے ہی دولہا اور اس کے والد کی جانب اشارہ کیا۔ پولیس کے جوانوں نے باپ بیٹے کو پکڑ کر گاڑی میں پھینکا اور تھانے لے گئے۔ چند منٹوں بعد تھانہ سینکڑوں لوگوں سے بھرا پڑا تھا اور وہ قادیانیوں کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔ پولیس نے C-298 کے تحت پرچہ درج کیا اور باپ بیٹے کو حوالات میں بند کر دیا۔ مسلمانوں کا مشتعل ہجوم حوالات توڑ کر مجرموں کی "چھترول" کرنا چاہتا تھا لیکن جب تھانیدار نے بار بار تسلی دیتے ہوئے کہا کہ "بھائی ہم بھی مسلمان ہیں' ہم بھی بہن بیٹیوں والے ہیں۔ انشاء اللہ ان خبیثوں سے کسی قسم کی رعایت نہیں کی جائے گی تو پھر ہجوم کے مشتعل جذبات ٹھنڈے ہوئے۔

اسلم کمال نے حکم دیا کہ کھانے کی ساری دیگیں یتیم خانہ پہنچا دی جائیں۔ وہ شدت جذبات سے مغلوب ہو کر بار بار مولانا محمد اکرم طوفانی کے ہاتھ چوم رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے شکر کے آنسو رواں تھے۔ یہ آنسو اس کی آنکھوں کے چشموں سے نکل کر رخساروں سے بہتے ہوئے زمین پر گر کر اس مالک کے حضور سجدے کر رہے تھے' جس نے قادیانی قزاقوں سے اس کی بیٹی کی عزت کی حفاظت کی تھی۔